© rasailojaraid.com

رفتارِ ادب

(سہ ماہی تبصرہ)

از

(جناب نثار احمد صاحب فاروقی)

پچھلے چند مہینوں سے اردو کتابوں کی اشاعت کی رفتار خاصی مسرت انگیز ہے۔ ایسی کتابیں منظرِ عام پر آنے لگی ہیں جو لکھنے والوں کی محنت اور موضوع سے محبّت کا پتا دیتی ہیں۔ یہ کتابیں زیادہ تر اردو کے کلاسکی سرمائے پر روشنی ڈالتی ہیں اس سے نہ صرف ماضی کی اچھی روایتوں کا تحفظ ہو رہا ہے بلکہ ان کی قدر شناسی اور ان کے محاسن کی پزیرائی سے جدید ادبی میلانات کی جِلا اور تصفیہ بھی ہو رہا ہے۔ اس سے مستقبل کے ادب کی گذرگاہیں صاف اور روشن ہوں گی۔ یہ رفتار اسی لئے نیک فال ہے۔

تحقیق اور کاوش کا یہ رجحان ہمارے ان ادبی بزرگوں ہی میں ملتا ہے جو اپنے فن اور موضوع کے ساتھ سنجیدہ ہیں اور برسوں ریسرچ کرنے کے بعد اپنی تحقیقات منظرِ عام پر لاتے ہیں اس تحقیق اور جاں فشانی کے اثرات بالواسطہ جہاں تک بھی ہوں یقیناً مفید ہی ہوں گے اس سے ہمارے نئے ناقدوں میں بھی تحقیق کی ذمہ داری کا احساس پیدا ہوگا۔

میں اس وقت ایسی ہی تین کتابوں کا ذکر کروں گا جو ہمارے لئے معلومات افزا بھی ہیں اور مشعل راہ بھی۔ ان کے نام یہ ہیں، پروفیسر مسعود حسن رضوی کی دو کتابیں:

۱۔ لکھنؤ کا عوامی اسٹیج ۔ ۲۔ لکھنؤ کا شاہی اسٹیج

اور جناب خلیق احمد نظامی کی بلند پایہ تصنیف:

۳۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔

جو کچھ سرمایہ اردو ڈراما پر اب تک موجود ہے اس کے بہت سے گوشے مبہم ہیں اور ضرورت یہ تھی کہ کوئی بالغ نظر ادیب اردو ڈراما کی تاریخ کے ابتدائی دور پر روشنی ڈالے۔ یہ اہم کام لکھنؤ کے پروفیسر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سید مسعود حسن رضوی ادیب نے کیا ہے۔ تحقیق و تنقید ان کے خاص موضوع ہیں اور اس دشت کی سیاحی میں انھوں نے ایک عمر گذاری ہے۔

لکھنؤ کا عوامی اسٹیج، امانت لکھنوی کی اندر سبھا کا مقدمہ و تعارف ہے۔ امانت کی اندر سبھا اور واجد علی شاہی رہس پر ریسرچ کرنے کا انھیں پورا حق پہنچتا تھا، انھوں نے یہ حق ادا کر دیا ہے۔ اس موضوع پر انھوں نے کتنی محنت کی ہے، کیا نتائج برآمد کئے ہیں، تحقیقی اعتبار اور تنقیدی معیار سے کتنا بلند پایہ کام کیا ہے اس کا اندازہ صرف وہی کر سکتا ہے جس نے کسی موضوع کی تحقیق میں اپنی جان کھپائی ہو۔ اس بازار میں "کاتا اور لے دوڑی" کا کوئی گاہک نہیں۔ سب سے پہلا مرحلہ تو صحیح ماخذ کے حصول کا ہوتا ہے جس کی گرفت میں ماخذ ہی نہ آسکیں وہ موضوع سے کیا انصاف کرے گا؟

آغا حسن امانت لکھنوی کی اندر سبھا جب پہلی بار اسٹیج پر کھیلی گئی تو خلقت اُسے دیکھنے کو ٹوٹی پڑتی تھی ہر گلی کوچے میں اسی کا چرچا تھا۔ اس کے اشعار اور مکالمے سیکڑوں لوگوں کو زبانی یاد تھے۔ مولوی مظہر علی سندیلوی نے اپنے روزنامچے میں کئی جگہ اندر سبھا کے رہس کا تذکرہ کیا ہے اور اُسے پڑھ کر اس ناٹک کی مقبولیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے بڑے بوڑھے، پرانی قدروں کے پرستار اور اخلاق و وضع داری کے نگہبان، برسوں اس ڈرامے کو "مخرب اخلاق" اور "ناشائستہ" ہی سمجھتے رہے۔ انھوں نے زہر عشق، سحر البیان اور اندر سبھا کو تہذیب کے دامن کا داغ سمجھا۔ لیکن آج وہ تصورات بدل گئے ہیں۔ یہی کتابیں ماضی کے ثقافتی سرمائے کا بقیہ اور گذری ہوئی تہذیبی روایات کے قافلے کا نقش قدم معلوم ہوتی ہیں۔ عوامی ذہن و مزاج کا عکس اب انھیں میں ڈھونڈھیں تو مل سکتا ہے۔ ادبی سے زیادہ ان کی تاریخی اور تہذیبی اہمیت ہے۔ اندر سبھا پہلا ڈراما تھا جو عوامی اسٹیج پر کھیلا گیا اسی لئے پروفیسر مسعود حسن رضوی نے کتاب کا نام بھی لکھنؤ کا عوامی اسٹیج رکھا ہے۔ انھوں نے اندر سبھا کے متعدد مطبوعہ نسخوں سے فائدہ اٹھایا ہے اس کے سوا انھیں اندر سبھا کا وہ چھاپا بھی دستیاب ہو گیا تھا جو خود امانت کی زندگی میں چھپا تھا اور صحیح ترین ہے۔ اس پر امانت نے اپنی مہر لگا کر اس بات کی تصدیق کر دی ہے کہ اس میں کوئی لفظ کیا، نقطہ بھی غلط نہیں ہے۔

فاضل مرتب نے فرہنگ اور غیر مانوس یا مشکل لفظوں کے معنی لکھنے کا اہتمام بھی کیا ہے۔ لیکن سب سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیادہ اہم ان کا مقدمہ ہے۔ جسے اردو ڈرامے کی تاریخ کا مقدمہ کہنا چاہیے۔ اس میں انھوں نے امانت کی زندگی، ان کے فن، ڈرامے کی مقبولیت اور اس کی ادبی و فنی حیثیت کا کوئی گوشہ نہیں چھوڑا جس پر سیر حاصل تبصرہ نہ کیا ہو۔ اس کتاب کے وقیع اور بلند پایہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

دوسری اہم کتاب "لکھنؤ کا شاہی اسٹیج" بھی پروفیسر مسعود حسن رضوی کی تصنیف ہے۔ واجد علی شاہ کے دربار میں جو رہس ہوا کرتے تھے ان کی تاریخی تفصیل اس میں پیش کی گئی ہے۔ یہ سوا دو سو صفحوں کی کتاب ہے جس میں سب سے پہلے واجد علی شاہ کے حالات اور فنون لطیفہ سے ان کی دلچسپی کا بیان کیا گیا ہے۔ انگریزوں نے اپنے سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لیے ہندوستان کی تاریخ میں بہت کچھ کتر بیونت کی ہے اور تاریخی کرداروں کے چہرے مسخ کر دیے ہیں۔ ایسی ہی تاریخی تحریفوں کا ستم رسیدہ واجد علی شاہ کا کردار بھی ہے۔ انھیں صرف عیاش، کاہل، ناچ گانے کا رسیا، امورِ مملکت سے قطعاً غافل اور انتظامِ سلطنت کے لیے سخت نااہل قسم کا بادشاہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے مگر ہم عصر مورخوں کے بیان سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔

فنونِ لطیفہ سے شاہ اودھ کی دلچسپی کے ہزاروں ثبوت ہیں "رہس" کا ایجاد اور اس کی سرپرستی بھی انھیں میں سے ایک ہے۔ خود واجد علی شاہ نے "رادھا کنھیا کا قصہ" مع ہدایاتِ تمثیل (stage Directions) کے لکھا بھی تھا۔ پروفیسر رضوی کا کہنا ہے کہ یہ اردو کا پہلا طبع زاد ڈراما ہے۔ امانت کی اندر سبھا اس کے بہت بعد میں لکھی گئی۔ یہ جو مشہور ہے کہ امانت نے واجد علی شاہ کی فرمائش پر اندر سبھا لکھی وہ قیصر باغ میں کھیلی گئی اور خود شاہ نے اس میں کوئی پارٹ ادا کیا، یہ سب فرضی باتیں ہیں ایسے بہت سے مفروضات کی تردید دلیلوں کے ساتھ پروفیسر رضوی نے کر دی ہے۔

ایک اور ایسی ہی بلند پایہ علمی تصنیف "سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات" ہے۔ اس کا موضوع تاریخ ہے اور مصنف مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شعبۂ تاریخ کے ریڈر جناب خلیق احمد نظامی ہیں۔ جنھوں نے تاریخ مشایخ چشت، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات، لائف اینڈ ٹائمز آف بابا فرید گنج شکر، اور ایلیٹ اینڈ ڈاسن کی تاریخ کا ضمیمہ جیسی بلند معیار علمی کتابیں لکھ کر ہندوستان کے علمائے تاریخ میں اپنا ممتاز مقام حاصل کر لیا ہے۔ اس کتاب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں انھوں نے سیکڑوں تاریخی کتابوں، دستاویزوں، اور نسخوں سے فائدہ اٹھاکر سلاطین دہلی کی مذہبی پالیسی کا مفصل اور مشرح بیان کیا ہے۔ علمی تحقیق اور تاریخی بلند نظری و بے تعصبی کا یہ ایک عمدہ نمونہ ہے۔ نظامی صاحب اپنے موضوع میں ڈوب کر ابھرتے ہیں اور اس پر حاوی ہوکر لکھتے ہیں وہ کسی موہوم اور مبہم سے پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کرتے تحقیق کی ذمہ داری بہت بڑی ہوتی ہے۔ خلیق احمد نظامی اس سے عہدہ برآ ہونا جانتے ہیں۔

ان کی یہ کتاب اس لئے پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے کہ اس سے سیکڑوں سال کی غلط بیانیاں "بیتِ عنکبوت" کی طرح ٹوٹ جاتی ہیں، تاریخی شعور میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے اور ماضی کی طرف ہم دور تک اور دیر تک دیکھ سکتے ہیں۔ اس سے اپنے عظیم کلاسکی سرمائے کا صحیح اندازہ کرسکتے ہیں، اُس عہد کے میلانات ورجحانات کا پتہ لگا سکتے ہیں اور یہ ایک مثالی تصنیفی نمونہ بھی بن سکتی ہے۔

شاید ایسے ہی علمی کارناموں کے لئے کہاگیا ہے کہ "اچھا کام اپنا انعام آپ ہوتا ہے"
معنوی اور ظاہری خوبیوں سے کتاب ہر طرح آراستہ پیراستہ ہے اور مہدی افادی کا جملہ "عروس جمیل ولباس حریر" اس پر صادق آتا ہے۔

(بہ شکریہ آل انڈیا ریڈیو نئی دہلی)

اردو کے عظیم المرتبت شاعر میر محمد تقی میر کے اپنے قلم سے لکھے ہوئے دلچسپ، عبرت انگیز، اور حیرت آمیز واقعات

میر کی آپ بیتی

میں ملاحظہ فرمائیے

اسے معروف نقاد نثار احمد فاروقی نے اصل فارسی کتاب سے ترجمہ کیا ہے اور جابجا ضروری معلومات حواشی میں لکھ دی ہیں ترجمہ وتالیف کے حسن کا اعتراف تمام معتدر علمی جریدوں اور عالموں نے کیا ہے۔

طباعت اعلیٰ۔ کتابت عمدہ۔ کاغذ نفیس۔ گٹ اپ شاندار، مکتبہ برہان دہلی سے ۲/۸ میں طلب فرمائیے۔

© rasailojaraid.com